حادثۂ وفات

ماہ مارچ ۱۹۹۱ء میں ملتِ اسلامیہ کو اپنے ۲ عظیم رہنما عالم دین کے حادثۂ وفات سے دوچار ہونا پڑا۔

امیر شریعت بہار حضرت مولینا منت اللہ رحمانی اور میرٹھ شہر کے مشہور عالم دین ، اسلامی مصنف حضرت مولینا قاضی زین العابدین تھوڑے سے آگے پیچھے وقفہ میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ

دونوں ہی ملت اسلامیہ کی عظیم و برگزیدہ ہستیاں تھیں حضرت مولینا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی خدمت کرنے کے لئے اپنے مرحوم عالم دین والد مولینا محمد علی مونگیری سے ورثہ پایا تھا جس طرح مولینا محمد علی مونگیری رح نے مسلمانان ہند کی تعلیم و تربیت کے لئے انتھک کوشش کی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کو جن لوگوں نے ایک تصور سے حقیقت بننے میں مدد دی ان میں مولینا محمد علی مونگیری رح کا نام سرفہرست ہے مسلمانوں کی خدمت میں وہ جی جان سے لگے رہے جٹے رہے۔ اسی طرح ان کے لائق و ہونہار صاحبزادے اور بعد میں ملت اسلامیہ ہند کے غازی و مجاہد مولینا منت اللہ رحمانی نے مسلمانانِ ہند کی ہر طرح خدمت و رہنمائی کی، مسلم پرسنل لاء بورڈ میں حضرت مولینا مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت و رہنمائی میں بڑا اہم کردار نبھایا اور حضرت مفتی عتیق الرحمان عثمانی رح کے انتقال کے بعد انہوں نے ان کے مشن کو ان کے بتائے ہوئے رہنما اصولوں کے تحت ہی آگے بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ وہ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بھی ممبر تھے مسلمانوں کی کئی فلاحی انجمنوں سے بھی ان کا ربط و تعلق تھا۔ بقول معاصر "قومی آواز"

مولینا منت اللہ رحمانی رح کی وفات حضرت مولینا مفتی عتیق الرحمان عثمانی رح کے

وفات کے بعد یہ دوسرا بہت بڑا صدمہ ہندوستان کے مسلمانوں کو پہنچا ہے اور اس کمی کو پورا کرنا آسان نہ ہوگا۔ ۷۹ رسال کی عمر پائی۔ میرٹھ کے عالم دین قاضی زین العابدین ایک اچھے اسلامی مصنف بھی تھے۔ ادارہ ندوۃ المصنفین سے ان کی عظیم وضخیم کتاب تاریخ ملت تین حصوں میں شائع ہوچکی ہے، پہلا حصہ نبی عربی، دوسرا حصہ خلافت راشدہ اور تیسرا حصہ خلافت بنوامیہ پر تھا جو علمی حلقوں میں مستند وپسندیدہ ہیں۔ قبلہ ابا جان حضرت مفتی عتیق الرحمان عثمانی رح سے ان کو خصوصی لگاؤ وانس تھا۔ ان کا نام جب بھی لیتے تعظیم وتکریم سے ہی لیتے۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے جمعیۃ العلماء ہند سے وابستہ تھے۔ حضرت مولینا اسعد مدنی صاحب، حضرت مفتی عتیق الرحمان عثمانی رح کی ہمیشہ ہی عزت وتکریم کرتے تھے۔ جب جمعیۃ العلماء ہند کے سلسلے میں مولینا اسعد مدنی سے حضرت مفتی صاحب کے بعض معاملات میں اختلافات ہوئے تب بھی یہ دونوں بزرگ ہمیشہ ہی حضرت مولینا مفتی عتیق الرحمان عثمانی رح کا ادب ولحاظ کرتے تھے اور عزت وتکریم میں ہمیشہ ہی بازی لے جانے کی کوشش کرتے۔

مولینا قاضی زین العابدین صاحب رح قبلہ ابا جان مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمان عثمانی رح کے شیدائی تھے اور میرے بھائی نجیب الرحمان عثمانی کے سسرالی رشتے کے بزرگ بھی تھے۔ حضرت مفتی شوکت علی فہمی (اللہ تعالیٰ ان عمر دراز اور صحت وتندرستی عطا فرمائے) کے عزیز خاص تھے۔ ان کے انتقال سے علمی ودینی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی ہے۔ ابھی حضرت مولینا قاضی سجاد حسین صاحب، حضرت ملا محمد تقی امینی اور مولینا ابواللیث کا صدمہ ہی ہرا تھا ان کی وفات سے ہمارے آنسو خشک نہ ہوئے تھے کہ برہان کو ان کی وفات کا عظیم صدمہ ہوگیا۔

ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی حضرت مولینا منت اللہ رحمانی (امیر شریعت بہار) اور حضرت مولینا قاضی زین العابدین صاحب رح کے انتقال پر ملال پر خود اپنے سے ملت اسلامیہ سے اور تمام لواحقین سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ

جنت نصیب فرمائے۔ آمین !

ہندی روز نامہ "نو بھارت ٹائمس کے چیف ایڈیٹر شری راجندر ماتھر ۱۱ اپریل ۱۹۹۱ء کو صرف ۴۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ آنجہانی ماتھر بڑے ہی فراخدل اور غیر متعصب انسان تھے سیکولرزم کے دلدادہ اور مسلمانوں کے حقوق کے لئے ہمیشہ ہی جدوجہد کرتے رہتے تھے۔ رمضان شریف کے عاشق تھے۔ روزہ افطار پارٹیوں میں باوجود بڑی مصروفیتوں کے ضرور جاتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے رمضان شریف کا انتظار رہتا ہے کیسی کو کیا معلوم تھا کہ اس نیک دل انسان کی موت رمضان شریف ہی میں ہوگی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی اخبار نہیں ہے جو ان کے دکھ درد سب کو سنائے مسٹر ماتھر نے نو بھارت ٹائمس کے ذریعہ مسلمانوں کی مشکلات و پریشانیوں کو اہل وطن تک پہنچایا۔ ہر محاذ پر مسلمانوں کا دفاع کیا مسلمانوں کو ہندوستان کی ریڑھ کی ہڈی بتایا۔ فرقہ پرست ہندوؤں کو ہمیشہ ہی انہوں نے ڈانٹا۔ واضح ہو کہ ہندی نو بھارت ہندوستان کا سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اخبار ہے جس کے پڑھنے والے بھی کچھ ایک چھوڑ کر سب کے سب ہندو ہی ہیں۔ ایسے شریف اور نیک غیر مسلم انسان و مسلم دوست کی وفات سے یقیناً مسلمانان ہند کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رح

(علمی و سیاسی خدمات)

احسان اللہ فہد فلاحی، بیت العزیز، جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ۔

(۲)

آپ نے تمام ہی احادیث کا بالیک بینی سے مطالعہ کیا اور قرآن و حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم کی شرح لکھی۔ اور اپنے مسلک کی تائید میں بہت ہی ٹھوس دلائل جمع کئے۔ آپ کی اس کتاب کی تین جلدیں شائع ہوئیں۔ جلد اول کے آغاز میں ایک سو آٹھ صفحہ کا مبسوط مقدمہ اصول حدیث پر آپ نے لکھا ہے جو دیگر اصول حدیث کی کتب سے زیادہ جامع ہے۔ اس مقدمہ میں اقسام حدیث، رواۃ کی صفات، تدوین حدیث، اور دیگر متعدد علم حدیث کے متعلق سیر حاصل تبصرہ ہے۔

فتح الملہم شرح مسلم مولانا نے کب سے لکھنی شروع کی اس کے لئے کوئی خاص سن یا ماہ متعین کرنا مشکل ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۶ھ سے پہلے ہی آپ نے اس مبارک کام کو شروع کر دیا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ "مجھے خیال آتا ہے کہ مرحوم ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انجمن اسلامیہ اعظم گڈھ کی دعوت پر اعظم گڈھ آئے تھے اور شبلی منزل میں میرے پاس ہی ٹھہرے تھے۔ اس وقت ان کے پاس شرح مسلم کے کچھ اجزا مسودات تھے جن میں قرأت فاتحہ خلف الامام وغیرہ اختلافی مسائل پر مباحث تھے جن کو مجھے بھی سنایا گیا۔"[1]

مولانا ندوی کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا عثمانی صاحب نے اس کام

کو بہت پہلے ہی شروع کر دیا تھا کیونکہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرأت کا مسئلہ کتاب میں ہے اور کتاب الصلوٰۃ کا تعلق فتح الملہم کی دوسری جلد سے ہے معلوم ہوا کہ مولانا عثمانی نے فتح الملہم شرح مسلم کا کام ۱۹۱۶ء سے پہلے ہی شروع کر دیا تھا آپ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس مجلد مخطوطہ کا کام ۱۹۱۴ء سے شروع کیا ہوگا۔

۳:۔ شرح بخاری شریف: مولانا عثمانی کے علمی سرمایہ اور خزانہ میں بخاری شریف کی شرح کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ شرح علم و عرفان، تدقیق و تحقیق کا سمندر معلوم ہوتا ہے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے انتقال کے بعد مولانا عثمانی جامعہ ڈابھیل میں بخاری کی تعلیم دیتے رہے۔ مولانا عثمانی نے اثنائے درس بخاری میں جو تقاریر درسًا درسًا فرمائی ہیں یہ شرح انھیں تقریری تحقیقات کا تحریری نقش ہے لیکن وائے افسوس کہ یہ شرح ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکی ہے۔ اس کا مسودہ جس میں بخاری شریف کا متن شامل نہیں ہے تقریبًا گیارہ سو صفحات پر مشتمل ہے مسودہ اردو زبان میں ہے عبارتیں صاف اور گنجلک ہیں۔ معرکۃ الآرا مسائل پر حسب عادت مولانا عثمانی نے نہایت بسط و تفصیل سے بحثیں کی ہیں۔ آٹھ سو صفحات تک مسودہ پر مولانا نے نظر ثانی فرمائی تھی۔ نظر ثانی میں دستِ مبارک سے جا بجا ترمیمیں کی گئی ہیں۔

۴:۔ اعجاز القرآن آپ کی مدلل تصنیف ہے۔ اس میں قرآن کریم کے اعجاز اور خدا کا کلام ہونے پر فاضلانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں قرآن کے اعجاز کو اتنے مدلل انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک منصف مزاج غیر مسلم ایک سلجھا ہوا مستشرق قرآن کریم کو خدا کا کلام ماننے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مولانا کی اس کتاب نے ان لوگوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جنھوں نے قرآن کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کر دیا تھا مولانا نے دلائل کی بنیاد پر ثابت کر دیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ کسی انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ اب اس کتاب کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتا ہے تو اس کی ہٹ دھرمی ہے۔

۵:۔ العقل والنقل: علم کلام میں علامہ عثمانی کی یہ ایک معیاری تصنیف ہے

جس میں اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا اور کبھی عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت میں قصور ہو جانے کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جائے تو اس وقت بندہ مومن کو کیا کرنا چاہیے اس پر آپ نے مفصل بحث کی ہے مولانا شبیر احمد عثمانی کی یہ کتاب اس قدر ٹھوس اور علمی ہے کہ اس کتاب کو حجۃ اللہ البالغۃ، تکمیل الاذہان وغیرہ کے ساتھ درجۂ تکمیل کے نصاب کے لئے واجبات میں سے قرار دیا گیا۔ مولانا محمود الحسن صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: "درجۂ تکمیل جس کے فوائد عرصۂ دراز سے تسلیم کیے ہوئے تھے آج توکلاً علی اللہ اس کی ابتدا ہوئی ہے اور مقدس بزرگوں کی تصانیف اس کے نصاب میں شامل کی گئی ہیں، ان کے سمجھنے والوں سے ہم کو امید ہے کہ وہ اسلام کے اصول و فروع کے متعلق معتد بہ واقفیت پیدا کریں گے، عموماً عقل و نقل کے اہم مسائل میں ان کو ایک خاص بصیرت حاصل ہو گی۔" ۲ ہے

مولانا عثمانی کی اس تصنیف سے پہلے عقل و نقل کی مطابقت میں اتنی جامع اور بسوط مفصل کتاب موجود نہ تھی آپ نے اس کتاب کو لکھ کر اس خلاء کو پر کیا۔ ان مشہور کتابوں کے علاوہ آپ نے دیگر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ "اسلام" جس میں وجود باری تعالیٰ، توحید، رسالت، ملائکہ کے اثبات پر زبردست محققانہ بحث کی ہے۔ "الشہاب" اس مقالہ میں اصولِ اربعہ فقہ یعنی قرآن، حدیث، قیاس اور اجماع سے قتل مرتد کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ "معارف القرآن" یہ مولانا عثمانی کے مایہ ناز مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ مضامین رسالہ "القاسم" کے پرچوں میں بالاقساط ماہ جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ، رجب شعبان وغیرہ ۱۳۳۱ھ میں مسلسل چھپتے رہے ہیں۔ "الدار الآخرۃ" آپ نے اس مقالے میں دار آخرت کو فلسفہ کے رنگ میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے یہ مقالہ جمعیۃ الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ میرٹھ میں موتمر الانصار کے سہ روزہ اجلاس میں پڑھا تھا۔ یہ مقالہ بھی رسالہ "القاسم" میں قسط وار چھپ چکا ہے۔ مدیر "القاسم" اس

مضمون کے تعارف میں لکھتے ہیں "یہ مضمون ذیل عزیزی مولوی شبیر احمد سلمہ نے اجلاس موتمر الانصار میرٹھ میں پڑھا تھا۔ چونکہ یہ ایک مفید اور کار آمد مضمون ہے اور بعض بہی خواہان قوم کا تقاضہ بھی ہے اس لئے اس کو طبع کرایا۔ اس کا اسلوب تحریر معلوم ہوتا ہے" ان کے علاوہ آپ نے قرآن مجید میں اعجاز کیا ہے، تحقیق خطبۂ جمعہ، تشریح واقعہ دیوبند، سیماعیل نبی لطائف الحدیث، جواب شق الصدر، معجزہ شق الشمس، خوارق عادت، الرد علی القرآن جیسے مضامین پر قلم اٹھایا ہے اور حق تو یہ ہے کہ جس مضمون پر بھی قلم اٹھایا حق ادا کر دیا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کا تفسیری مقام کافی بلند ہے۔ آپ کی بیش بہا تصانیف میں سب سے شاہکار آپ کی تفسیر ہے آپ نے ضخیم تفسیروں سے مستغنی ہو کر سمندر کو کوزے میں بھرنے کی کوشش کی ہے۔ زبان بہت ہی سلیس و سادہ، فصیح اور عام فہم ہے۔ آیات قرآنیہ کے مفہوم و مطالب کو سمجھانے سے زیادہ کچھ نہیں لکھا ہے اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ کسی مقام کو لاینحل نہیں چھوڑا ہے۔

عام طور مفسروں کے اندر مندرجہ ذیل صفات دیکھی جاتی ہیں : تقویٰ اور نور ایمانی کی صفت اجاگر ہو۔ علوم تفسیر میں مہارت رکھتا ہو۔ علوم تفسیر سے مراد اصول حدیث، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم فقہ، علم الکلام، علم تاریخ، علم جغرافیہ، علم الحقائق، علم الحساب، علم الاسرار ہے۔ ان علوم کے علاوہ علم لغت، علم صرف، علم نحو، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم الرجال، علم سیرت ہے۔ ایک مفسر کو ان تمام علوم میں مہارت اور معلومات کی ضرورت ہے تب کہیں جا کر وہ حقیقت میں مفسر جیسے عظیم رتبہ کا مالک ہو سکتا ہے۔

مولانا عثمانی رح کی زندگی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو آپ تقویٰ کی تمام ترکسوٹیوں پر پورے اترتے نظر آتے ہیں۔ آپ قرآن کی آیات رحمت پر امید سے پر اور آیات عذاب پر خوف سے لبریز معلوم ہوتے ہیں۔ نماز بہت ہی خشوع و خضوع سے پڑھتے ہیں آپ بہت ہی رقیق القلب اور نرم دل تھے۔ اللہ کی عظمت پیغمبر کی محبت حد سے زیادہ دل میں جاگزیں تھی۔ اس دنیا کو

...اور آخرت کو دنیا کی کھیتی سمجھتے تھے ہمیشہ امید و رجاء کی کیفیت میں رہتے تھے دن کے مجاہد اور رات کے راہب تھے۔ دن کے اجالے میں بندگانِ خدا کی خدمت کرتے اور رات کی تاریکی میں اللہ کے حضور قیام کرتے تھے مولانا سید سلیمان ندوی موتمر مکہ ۱۳۴۴ھ کے سفر کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔ "جدہ سے مکہ معظمہ تک ہم سب ایک لاری میں آئے جب مکہ معظمہ قریب آیا تو مرحوم (مولانا شبیر احمد) پر عجب کیفیت تھی۔ انھوں نے قران کا احرام باندھا اور ہم سب تمتع کے احرام میں تھے جیسے جیسے مکہ معظمہ قریب آتا جاتا تھا ان پر گریہ کا غلبہ ہوتا جاتا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔"[۳۲] اسی مضمون میں مولانا ندوی ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔ "ایک اور دفعہ اسی زمانہ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں وہ (مولانا شبیر احمد صاحب) اعظم گڑھ آئے۔ ٹھہرے کہیں اور جگہ تھے مجھ سے ملنے آئے۔ میں نے چائے پیش کی تو پینے سے انکار کر دیا۔ انکار کی وجہ نہ معلوم ہوئی۔ مگر بعد کو خیال آیا تو قیاس ہوا کہ چائے کی پیالیاں جو جاپانی تھیں ان پر جانوروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اس لئے ان میں پینے سے انکار کیا۔ بہر حال اس سے ان کے تقویٰ اور بزرگوں کی صحبت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔"[۳۳]

مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیو بند لکھتے ہیں۔ "نماز انتہائی خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے خشیۃ اللہ اور شرم و حیا کے پیکر تھے قلب نہایت نازک اور رقیق پایا تھا۔"[۳۴] خلاصہ کلام یہ کہ مولانا کے اندر تقویٰ کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے مولانا نے تفسیر کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک شوشے پر نہایت احتیاط سے قلم اٹھایا ہے اور یہی تقویٰ و طہارت کی علامت ہے۔

ایک مفسر کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ تفسیر سے متعلق جتنے علوم ہیں ان سب پر اس کی اعلیٰ درجے کی مہارت ہو۔ ان سبھی علوم پر نقد و جرح، تائید و ترجیح کی قوت اور رطب و یابس میں تمیز کی پوری صلاحیت

رکھتا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کے اندر ان تمام علوم پر اعلیٰ درجے کی مہارت موجود تھی۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے تھے اس کا پورا حق ادا کرتے تھے مسلم کی شرح اور اس کے آغاز میں اصول حدیث کا مقدمہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا علم حدیث اصول حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے تفسیر میں بھی اصول حدیث اور حدیث کا تبحر صاف نمایاں ہے۔ (اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ

(ترجمہ) ان کو زمانۂ عدت میں اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔ اس آیت کے متعلق علامہ لکھتے ہیں۔ "مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے۔ (اس کو سکنیٰ کہتے ہیں) اور جب سکنیٰ واجب ہے تو نفقہ بھی اس کے ذمہ ہونا چاہیئے کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اسی کی وجہ سے مکان میں مقید و محبوس رہے گی ...... حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سکنیٰ اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے رجعیہ کی قید نہیں.....
رہی فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاق دے دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلوایا۔ اول تو اس حدیث میں فاروق اعظمؓ عائشہ صدیقہ اور دوسرے صحابہ و تابعین نے انکار فرمایا ہے بلکہ فاروق اعظمؓ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا معلوم ہوا کہ فاروق اعظمؓ کتاب اللہ سے یہی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ و سکنیٰ واجب ہے اور اس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت بھی ان کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ طحاوی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت عمرؓ وغیرہ نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے نبیؐ سے سنا اور..
دارقطنی میں جابرؓ کی ایک حدیث بھی اس بارے میں صریح ہے۔ گو کہ اس کے بعض رواۃ اور رفع و وقف میں کلام کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیسؓ کے لئے سکنیٰ اس لئے تجویز نہ کیا ہو کہ وہ اپنے سسرال والوں سے زبان درازی اور سخت کلامی کرتی تھیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ لہذا آپؐ نے حکم دے دیا کہ ان کے گھر سے چلی جائیے۔ پھر جب سکنیٰ نہ رہا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا جیسے ناشزہ کا (جو شوہر کی نافرمانی کر کے گھر سے نکل جائے) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے تاوقتیکہ گھر واپس نہ آئے نیز جامع ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو کھانے پینے کے لئے غلہ دیا گیا تھا اس نے اس مقدار سے زیادہ کا مطالبہ کیا لیکن وہ منظور نہیں ہوا تو مطلب یہ ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زائد نفقہ تجویز نہیں فرمایا جو مرد کی طرف سے دیا جا رہا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب، ہاں یہ یاد رہے کہ نسائی، طبرانی، مسند احمد وغیرہ کی بعض روایات میں فاطمہ بنت قیسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد نقل کیا ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ صرف اس مطلقہ کے لئے ہے جس سے رجعت کا امکان ہو۔ ان روایات کی سندیں زیادہ قوی نہیں۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس پر بحث کی ہے۔ [1]

علامہ شبیر احمد عثمانی کی مذکورہ تفسیر محدثانہ نقطۂ نظر سے ان کی عظمت اور مہارت علم حدیث کے لئے ایک روشن مثال ہے۔ علامہ نے اس آیت کی تفسیر میں تین علوم پر روشنی ڈالی ہے۔ فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث پر محققانہ جرح کی ہے۔ حضرت عمرؓ کا اجتہاد، آیات قرآنی پھر حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ و تابعین کے اقوال سے سکنیٰ اور نفقہ کا ثبوت فراہم کیا ہے نیز دار قطنی، جامع ترمذی، طبرانی، مسند احمد، نسائی وغیرہ کی روایات پر محدثانہ کلام کیا ہے۔ یہی ایک محدث کے لئے علم حدیث میں بلند پایہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا نے اصول حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے دار قطنی کی حدیث جابرؓ بعض رواۃ کے ثقہ ہونے پر جرح کرنا، دار قطنی کے بعض راویوں کو ضعیف و ثقہ بتا کر کرنا، نسائی، طبرانی وغیرہ کی روایت کی سندیں قوی نہ

رکھتا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے اندر ان تمام علوم پر اعلیٰ درجے کی مہارت موجود تھی جس موضوع پر قلم اٹھاتے تھے اس کا پورا حق ادا کرتے تھے مسلم کی شرح اور اس کے آغاز میں اصول حدیث کا مقدمہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا علم حدیث اصول حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے تفسیر میں بھی اصول حدیث اور حدیث کا تبحر صاف نمایاں ہے۔ (اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ

(ترجمہ) ان کو زمانۂ عدت میں اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو) اس آیت کے متعلق علامہ لکھتے ہیں۔ "مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے۔ (اس کو سُکنیٰ کہتے ہیں) اور جب سُکنیٰ واجب ہے تو نفقہ بھی اس کے ذمہ ہونا چاہیئے کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اسی کی وجہ سے مکان میں مقیّد و محبوس رہے گی . . . . . . حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سُکنیٰ اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے رجعیہ کی قید نہیں . . . . . رہی فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاق دے دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سُکنیٰ اور نفقہ نہیں دلوایا۔ اول تو اس حدیث میں فاروق اعظمؓ عائشہ صدیقہ اور دوسرے صحابہ و تابعین نے انکار فرمایا ہے بلکہ فاروق اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا معلوم ہوا کہ فاروق اعظم کتاب اللہ سے یہی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ و سُکنیٰ واجب ہے اور اس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت بھی ان کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ طحاوی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت عمرؓ وغیرہ نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے نبیؐ سے سنا اور . . دار قطنی میں جابرؓ کی ایک حدیث بھی اس بارے میں صریح ہے۔ گو کہ اس کے بعض رواۃ اور رفع و وقف میں کلام کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیسؓ کے لئے سکنیٰ اس لئے تجویز نہ کیا ہو کہ وہ اپنی سسرال والوں سے زبان درازی اور سخت کلامی کرتی تھیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ لہذا آپؐ نے حکم دے دیا کہ ان کے گھر سے چلی جائے۔ پھر جب سکنیٰ نہ رہا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا جیسے ناشزہ کا (جو شوہر کی نافرمانی کر کے گھر سے نکل جائے) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے تاوقتیکہ گھر واپس نہ آئے نیز جامع ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو کھانے پینے کے لئے غلہ دیا گیا تھا اس نے اس مقدار سے زیادہ کا مطالبہ کیا لیکن وہ منظور نہیں ہوا تو مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زائد نفقہ تجویز نہیں فرمایا جو مرد کی طرف سے دیا جا رہا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب، ہاں یہ یاد رہے کہ نسائی، طبرانی، مسند احمد وغیرہ کی بعض روایات میں فاطمہ بنت قیسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد نقل کیا ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ صرف اس مطلقہ کے لئے ہے جس سے رجعت کا امکان ہو۔ ان روایات کی سندیں زیادہ قوی نہیں۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس پر بحث کی ہے۔ ے

علامہ شبیر احمد عثمانی کی مذکورہ تفسیر محدثانہ نقطۂ نظر سے ان کی عظمت اور مہارت علم حدیث کے لئے ایک روشن مثال ہے۔ علامہ نے اس آیت کی تفسیر میں تین علوم پر روشنی ڈالی ہے۔ فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث پر محققانہ جرح کی ہے۔ حضرت عمرؓ کا اجتہاد، آیات قرآنی پھر حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ و تابعین کے اقوال سے سکنیٰ اور نفقہ کا ثبوت فراہم کیا ہے نیز دارقطنی، جامع ترمذی، طبرانی، مسند احمد، نسائی وغیرہ کی روایات پر محدثانہ کلام کیا ہے۔ یہی ایک محدث کے لئے علم حدیث میں بلند پایہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا نے اصول حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے دارقطنی کی حدیث جابرؓ بعض رواۃ کے ثقہ ہونے پر جرح کرنا، دارقطنی کے بعض راویوں کو رفع و وقف کا ذکر کرنا، نسائی، طبرانی وغیرہ کی روایت کی سندیں قوی نہ

ہونے کی صراحت کرنا، ایک عورت کی حدیث سے قرآن کریم کی آیت کے برعکس حکم لگانا، یہ سب کے سب جرح وقدح کی غمازی کررہی ہیں۔ معلق کے حکم اور تفقہ کے سلسلے میں احناف کا مسلک، ہدایہ میں زیلعی کی تخریج علم تفقہ کی بصیرت پر دلالت کررہی ہیں۔ غرضیکہ علامہ عثمانیؒ تمام ہی علوم پر گہری دسترس رکھتے تھے خواہ وہ اصول فقہ ہو یا علم فقہ، علم تاریخ ہو یا علم جغرافیہ، علم لغت ہو یا علم نحو وصرف، ایک مفسّر کے لئے جتنے بھی علوم کی مہارت ضروری ہوسکتی ہے علامہ کے اندر موجود تھی۔

علامہ عثمانی کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے ان تمام علوم کا مطالعہ کیا تھا جس کی ضرورت اسلام کی تبلیغ وتشریح میں کسی بھی طرح پڑسکتی تھی۔ اگر قرآن میں احکام الٰہی کا ذخیرہ موجود ہے تو احادیث اسی ذخیرے کی تفسیر وتشریح ہے۔ صحیح حدیث اور اسوۂ حسنہ کے بغیر قرآن حکیم کا سمجھنا دشوار ہی نہیں بلکہ صاف ستھری طبیعت کے نزدیک مستحیل ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ وغیرہم نے ہر طرح کی مصیبتوں کو برداشت کرکے احادیث صحیحہ کی تلاش وجستجو کی ہے اور اسی کام کو علامہ عثمانیؒ نے بھی آگے بڑھاتے، مزید غور وفکر کرنے اور موجودہ دور کے لحاظ سے اس کی تفسیر وتشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا عثمانی کا شمار مولانا گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسمؒ، مولانا محمد یعقوبؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اسیر مالٹا، مولانا سیّد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے بلند پایہ محدثین کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان تمام حضرات نے دارالعلوم دیوبند اور اپنے حلقۂ درس وتدریس میں حدیث کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے دارالعلوم دیوبند میں مختلف علوم وفنون کی اعلیٰ کتابوں کے پڑھانے کے بعد صرف علم حدیث کی تعلیم وتدریس کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الہند [illegible]

شامل تھے جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہ چکے ہیں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، نسائی، شمائل ترمذی وغیرہ کتابیں پڑھی ہیں۔ آپ نے یہ کتابیں دورۂ حدیث کے سال میں پڑھیں اور امتحان میں سب سے اول رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس کا سلسلہ کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں معقول اور منقول کی کتابیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ حدیث کی تعلیم ابتدا ہی سے دیتے رہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے انتقال کے بعد مسلم شریف کا درس مولانا عثمانی مستقل دینے لگے۔ اس کے بعد آپ ڈابھیل چلے گئے۔ مولانا انور شاہ کشمیری کے انتقال کے بعد آپ ڈابھیل کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس بن گئے۔

یہ ہے مولانا عثمانی کا علم حدیث سے شغف۔ تعلیم و تعلم کے دوران آپ نے علم حدیث، اصول حدیث پر بہت محنت کی جس کے نتیجے میں ہندوستان، پاکستان اور بیرونِ ہند کے محدثین میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ مولانا عثمانی نے فتح الملہم شرح مسلم لکھ کر اپنے مایہ ناز محدث ہونے کی مہر ثبت کر دی ہے۔ آپ نے فتح الملہم میں حدیث کے مشکل مضامین کی وضاحت نیز اللہ کی ذات و صفات اور دوسرے خدائی افعال یا دقیق حقیقتیں جو انسانی عقلوں سے بلند ہیں آشکارہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ ہر مسئلہ اور مضمون میں علماء کرام کے عمدہ اور منتخب اقوال کو نقل کیا ہے۔ اور اپنی رائے کو مدلل کرنے کی کوشش کی ہے۔ دقیق اور مشکل مسائل کو مثالوں اور نظیروں سے سمجھایا ہے۔ چاروں اماموں کے اقوال قابل اعتماد کتابوں سے نقل کیے ہیں۔ ایک باب کے متعلق جتنی احادیث ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ احادیث کے تعارض کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ ان تمام باتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس نے اپنی شرح میں ان تمام باتوں کا خیال کیا ہو وہ کتنا بڑا محدث اور عالم حدیث ہوگا۔ اس کی حدیث کی کتابوں پر کتنی گہری نظر ہوگی۔ چنانچہ فتح الملہم کو دیکھ کر مولانا انور شاہ کشمیری

نے مسلم کی تقریظ میں حضرت عثمانی کے محدث ہونے کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے لکھتے ہیں "یقیناً اپنے زمانے کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی کہ اس زمانہ کے محدث مفسر متکلم ہیں اور احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب "مسلم" کی خدمت ان سے زیادہ بہتر اور برتر نہ کر سکا۔ اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر انھوں نے اہلِ علم کے گردن پر احسان کیا ہے[۴۵] اس طرح سے معاصرین علماء کے ایک گروہ نے آپ کو محدث مانا ہے۔ وقت کا شیخ الحدیث سمجھا ہے آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے خطوط بھی لکھے ہیں۔

علامہ عثمانی جہاں تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں وہیں علم فقہ میں بھی آپ منفرد نظر آتے ہیں۔ علمائے اہلِ نظر میں جب وقتی مسائل اور ان کے عہد کے ہنگامی نظریوں کا سوال پیش آتا تو آپ کا تفقہ اور فقہی معلومات اور تحقیقات کا دریا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیتا۔ فقہی مسائل کو اس طرح بیان کرتے کہ دلوں کی تہوں میں وہ الفاظ اترتے چلے جاتے اور دماغ کے پردوں کو صاف اور روشن کر دیتے۔ جب کبھی ہنگامی دور کے نازک تقاضے امت مسلمہ کے لئے شرعی احکام کی تشنگی محسوس کرتے تو لوگ مولانا کی طرف نظریں اٹھاتے۔ آپ ان مسائل کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے اور پورے غور و خوض، نقد و فکر کے بعد جب کہ ظاہری تحقیق و تدقیق کے فیصلے باطن کی نگاہوں کے ساتھ نگاہیں ملا کر شفائے قلبی کے ساتھ متفق ہو جاتے تو مولانا اس پر اڑ جاتے اور پھر ان کی قوت علمی، قوت فیصلہ، قوت استدلال کے سامنے جو مخالف دوسرا نظریہ لے کر آتا اسے آپ کے دلائل کے سامنے جھکنا پڑتا اسی وجہ سے علماء نے آپ کو فقیہ دانشمند کے نام سے یاد کیا ہے۔

آپ کے دور میں مائیکروفون کا استعمال اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز میں قرأت کو پہنچانے کا مسئلہ زیر بحث تھا مسلمانوں کے دل میں بڑے بڑے مجموعوں اور عید و جمعہ کی نمازوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ خطبہ اور قرآت نماز سننے کی خواہش

اور تڑپ پیدا ہوئی مسلمانوں نے اس مسئلے کو علماء کے سامنے پیش کیا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس مسئلے پر تحقیقات کے بعد احتیاط کے مقام پر نظر رکھتے ہوئے لاؤڈ اسپیکر پر نماز کو ناجائز قرار دیا۔ ان کا نظریہ تھا کہ مقتدی امام کے تابع ہیں اور اسی کی قرأت کا براہ راست ان کو مطیع ہونا ضروری ہے۔ امام اور مقتدی کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہونی چاہیئے جو امام سے ہٹا کر مقتدی کو اپنی حرکات و آواز پر چلائے۔ کیونکہ ایسے شخص کی اقتداء جو نماز میں شریک نہیں ہے فقہاء کے نزدیک جائز نہیں اس لیئے اگر لاؤڈ اسپیکر میں امام کی بعینہ آواز کے تموج میں شبہ رہا تو اس لیئے حکیم الامت نے مقام احتیاط کی بنیاد پر مقتدیوں کی نماز فاسد ہونے کا فتویٰ صادر فرمادیا۔ لیکن مولانا عثمانی نے اپنی خداداد فقہی بصیرت سے مسئلہ کی نزاکت کو سمجھا اور تشدد میں ایک درمیانی پہلو اختیار فرما کر اختلاف کیا آپ کا نظریہ تھا کہ اذان، خطبہ، قرأت نماز میں شریعت کو اس امر کا خاص اہتمام مقصود ہے کہ نماز پڑھنے والوں اور خطبہ اور اذان سننے والوں کو قرأت، اذان اور خطبہ پہونچ جائے۔ اور اسی پر ان کی اصلاح اور تذکیر و نصیحت موقوف ہے۔ اسی لیئے موذن ایسا ہونا چاہیئے جس کی آواز بلند ہو۔ دوسری جانب قرآن کا حکم ہے:
اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۰ یعنی جب قرآن کریم کی قرأت کی جارہی ہو تو ادھر کان لگادو اور خاموش ہوجاؤ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ قرأت قرآنی پر کان لگانا اور خاموش نہ رہنا عذاب کا موجب ہوسکتا ہے لہذا یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ شریعت کا بلند آوازی پر اہتمام ہے۔ مولانا عثمانی نے خطبۂ جمعہ کے متعلق صحیح بخاری کی روایت نقل کی ہے۔ فلما قعد علی المنبر وسکت .. المؤذنون الحدیث۔ جب کہ حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھ گئے اور موذن حضرات اذان دے کر خاموش ہوگئے۔ اس روایت سے مولانا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کئی موذنوں نے خطبہ کی اذانیں دیں جس کا مقصد آواز پہونچانا تھا لہذا اگر موجودہ عہد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قرأت یا خطبہ یا اذان کو بلند کیا جائے تو مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں

ہو گی پھر اس اعتراض کا بھی جواب دیا کہ خطبہ اور قرأت امام کو پہنچانے کا کام اگر کوئی شخص کسی خارجی آلہ سے کرے تو کیا حرج ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اہم مقاصد یعنی امام کی قرأت اور خطبہ کا سننا ممکن نہ ہوگا یعنی استماع اور انصات فوت ہو جائے گا نیز جب کئی آدمی خطبہ اور قرأت کو پہنچائیں گے تو آوازوں کا سلسلہ طویل ہو جائے گا اور اس سہولت کے خلاف ہوگا جس میں خطبہ اور نماز کو مختصر کرنے کو کہا گیا ہے تاکہ نمازیوں کو کلفت نہ ہو لیکن مذکورہ صورت میں طوالت خطبہ کے باعث نمازیوں کو تخفیف نہ ہوگی۔ مولانا تھانوی نے نماز کو فاسد قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ قرأت پہنچانا اجنبی سا معلوم ہوتا ہے۔ مولانا نے اس کا بھی جواب دیا کہ ابتداءً ایک چیز عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن کثرت استعمال سے اس کا عجب رفع ہو جاتا ہے پھر اس کی طرف توجہ بھی نہیں رہتی ہے۔ علامہ نے ایک اور فقہی نقطہ بھی حل کیا ہے کہ مسائل فقہی کے لئے فلسفیانہ تحقیقات اور تدقیقات کی ضرورت نہیں جیسا کہ رویت ہلال اور سمت قبلہ کے لئے آلات رصدیہ و اصطرلاب کی ضرورت نہیں اور بہترین تفقہ کا ثبوت مولانا کے اس فقہی اصول کی ترجمانی ہے کہ جن مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہو اور نور قلبی وہاں اپنی چمک نہ دکھا رہا ہو تو یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہاں شرح صدر نہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا چنانچہ جس چیز پر شرحِ صدر نہ ہو اس سے مباح کا پہلو نکلتا ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ جو آپ کے سامنے آیا وہ مسلم لیگ میں شرکت کا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی شرعی نوعیت کا تھا۔ آپ نے مسلم لیگ کی شرکت پر مجتہدانہ غور کیا، قرآن و سنت کی روشنی کو رہبر بنایا، استخارے کیے، دعائیں مانگیں پھر شرح صدر کے ساتھ مسلم لیگ میں اپنی اور اپنی جماعت کی شرکت کا اعلان فرمایا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی میرٹھ کے مسلم لیگ کانفرنس کے خطبہ صدارت میں تحریر فرماتے ہیں:

"راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی کشمکش میں رہا [illegible]

کہ میں نے خصوصیت سے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا ہے میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور و فکر کیا اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کیے۔ بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے (تصریح کو بیان کرنے کا موقع نہیں جس کو دیکھنا ہو السیر الکبیر میں دیکھ سکتا ہے۔)

اس تصریح پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں کہ اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار نفس کلمہ اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے ایک آئینی جنگ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں جو مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کی نسبت عشر عشیر نہیں۔ ۹ اس تبصرہ کو پڑھنے کے بعد مولانا کی مسلم لیگ میں شمولیت کی وجہ معلوم ہوتی ہے اور اس تبصرہ سے مولانا کی فقہی صلاحیتیں تمام لوگوں کے سامنے نمایاں ہو کر آجاتی ہیں۔ مولانا نے جب یہ فیصلہ کیا اس وقت مسلم لیگ یا کانگریس میں شرکت مسلمانان ہند کی زیست اور موت کا سوال تھا شرعی اور سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت ایک مذہبی اور سیاسی فکر کی متلاشی تھی۔ ایک طرف مقتدر علماء کی جماعت کانگریس میں شریک تھی..

دوسری طرف خاص و عام سیاسی مسلمانوں کا نظریہ مسلم لیگ اور تخلیق پاکستان تھا، ان حالات میں اس اجتہادی مسئلہ پر سخت تفقہ، غور و فکر، ذمہ داری اور دیانتدار ہستی کی ضرورت تھی جو جذبات کے ماتحت مسائل سوچنے کا عادی نہ ہو اور جذبات سے بلند ہو کر خلوص نیت سے مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح کا خیال رکھتے ہوئے انہیں کسی منزل کی طرف لے چلے۔ مولانا عثمانی ایسے طوفانی دور

ہوگی۔ پھر اس اعتراض کا بھی جواب دیا کہ خطبہ اور قرأتِ امام کو پہنچانے کا کام اگر کئی شخص مجموعی طور سے کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اہم مقاصد یعنی امام کی قرأت اور خطبہ کا سننا اور کان لگانا یعنی استماع اور انصات فوت ہوجائے گا نیز جب کئی آدمی خطبہ اور قرأت کو پہنچائیں گے تو آوازوں کا سلسلہ طویل ہوجائے گا اور اس سہولت کے خلاف ہوگا جس میں خطبہ اور نماز کو مختصر کرنے کو کہا گیا ہے تاکہ نمازیوں کو کلفت نہ ہو لیکن مذکورہ صورت میں طوالت خطبہ کے باعث نمازیوں کو تخفیف نہ ہوگی۔ مولانا تھانوی نے نماز کو فاسد قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ قرأت پہونچانا لہو ولعب سا معلوم ہوتا ہے۔ مولانا نے اس کا بھی جواب دیا کہ ابتداءً ایک چیز عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن کثرت استعمال سے اس کا عجب دفع ہوجاتا ہے پھر اس کی طرف توجہ بھی نہیں رہتی ہے۔ علامہ نے ایک اور فقہی نقطہ بھی حل کیا ہے کہ مسائل فقہی کے لئے فلسفیانہ تحقیقات اور تدقیقات کی ضرورت نہیں جیسا کہ رویت ہلال اور سمت قبلہ کے لئے آلات رصدیہ واصطرلاب کی ضرورت نہیں اور بہترین تفقہ کا ثبوت مولانا کے اس فقہی اصول کی ترجمانی ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد کی ضرورت ہو اور نور قلبی وہاں اپنی چمک نہ دکھا رہا ہو تو یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہاں شرح صدر نہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا چنانچہ جس چیز پر شرح صدر نہ ہو اس سے مباح کا پہلو نکلتا ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ جو آپ کے سامنے آیا وہ مسلم لیگ میں شرکت کا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی شرعی نوعیت کا تھا۔ آپ نے مسلم لیگ کی شرکت پر مجتہدانہ غور کیا۔ قرآن وسنت کی روشنی کو رہبر بنایا۔ استخارے کیے، دعائیں مانگیں پھر شرح صدر کے ساتھ مسلم لیگ میں اپنی اور اپنی قوم کی شرکت کا اعلان فرمایا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی میرٹھ کے مسلم لیگ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں تحریر فرماتے ہیں:

"راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی کشمش و پیچ میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ

کر خاص تاخیر سے میں نے لیگ کی حمایت میں قلم اُٹھایا ہے میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور و فکر کیا اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کیے۔ بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے (تصریح کو بیان کرنے کا موقع نہیں جس کو دیکھنا ہو السیر الکبیر میں دیکھ سکتا ہے۔)

اس تصریح پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں کہ اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار نفس، کلمہ اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے ایک آئینی جنگ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں جو مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہلِ حق کی نسبت عشر عشیر نہیں۔ ۹؎ اس تبصرہ کو پڑھنے کے بعد مولانا کی مسلم لیگ میں شمولیت کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور اس تبصرہ سے مولانا کی فقہی صلاحیتیں تمام لوگوں کے سامنے نمایاں ہو کر آجاتی ہیں۔ مولانا نے جب یہ فیصلہ کیا اس وقت مسلم لیگ یا کانگریس میں شرکت مسلمانانِ ہند کی زلیست اور موت کا سوال تھا شرعی اور سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت ایک مذہبی اور سیاسی مفکر کی متلاشی تھی۔ ایک طرف مقتدر علماء کی جماعت کانگریس میں شریک تھی.. دوسری طرف خاص و عام سیاسی مسلمانوں کا نظریہ مسلم لیگ اور تخلیق پاکستان تھا، ان حالات میں اس اجتہادی مسئلے پر سخت تفقہ، غور و فکر، ذمہ داری اور دیانت دار رہبری کی ضرورت تھی جو جذبات کے ماتحت مسائل سوچنے کا عادی نہ ہو اور ذاتیات سے بلند ہو کر خلوص نیت سے مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح کا خیال رکھتے ہوئے انھیں کسی منزل کی طرف لے چلے۔ مولانا عثمانی ایسے طوفانی دور

میں ابھر کر سامنے آئے۔ اس مسئلے پر قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا اور بالآخر
مسلم لیگ میں اپنی اور اپنے قوم کی شرکت کا اعلان کر دیا۔ اس طرح کے بہت سارے
مسائل مولانا کے سامنے آئے۔ آپ نے تمام ہی معاملات پر خوش اسلوبی کے
ساتھ غور و فکر کیا۔ ذمہ داری اور دیانت داری کے ساتھ فتویٰ دیا۔ اور اپنے مسلک
کے حق میں دلائل کے انبار لگا دیے۔ مجبور ہو کر علامہ زاہد الکوثری کو لکھنا ہی پڑا کہ
"مولانا عثمانی کو فی الیقین اہل فقہ اور اہل حدیث کی تردید میں پوری مزاہمت
حاصل ہے۔ ۵۱؎

علامہ شبیر احمد عثمانی دنیائے اسلام کی سیاست داں ہستیوں میں سے
ایک ایسی ہستی ہے جس کے گوشہ ہائے فکر و تدبر کا صحیح تجزیہ کرنا مشکل ہے علامہ
نے سیاست میں اس وقت قدم رکھا جب کہ ہندوستان کے افق سیاست پر
انگریزوں کا آفتاب چمک رہا تھا اور انگریزی حکومت ہندو نواز پالیسیوں اور
مسلمان دشمن سرگرمیوں کا محور بنتی جارہی تھی۔ ایسے دور میں ایک طرف محمد علی
جناح جیسے بے لوث، مخلص اور سیاست داں ہستی سامنے ابھر کر آئی جس نے
مسلم لیگ کے آفتاب کو مسلمانان ہندوستان کے سیاسی افق پر چمکانا چاہا
اور مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کے تسلط سے نکال کر دوسرا ملک بنانے کی
تحریک شروع کی تو دوسری طرف مولانا ابوالکلام جیسے سیاست داں عالم نے
کانگریس کی حمایت شروع کر دی۔ ایسے دور میں مسلمانوں کا ایک طبقہ سخت کشمکش
میں تھا ان کو اپنے ایمان کی بھی فکر تھی اور صحیح منزل مقصود کی بھی۔ اس مقصد
کو واضح کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایک شمع روشن کی۔ اور مسلمانوں کو
مسلم لیگ میں شامل ہونے کے لئے شریعت محمدی کی روشنی میں راہ ہدایت دکھانی
شروع کی۔ آپ نے پوری قومی اور اسلامی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے خود
بھی مسلم لیگ میں شمولیت کی اور مسلمانوں کو بھی سیاسی اور مذہبی دلائل کی قوت سے
لیگ میں شرکت کی دعوت دی پہلے علامہ نے قرآن و حدیث اور سنت رسولؐ پر

غور کیا اور نظریۂ پاکستان اور لیگ کی تائید میں قدم اٹھانے سے پہلے استخارے کیے اور پھر عملی قدم اٹھایا۔ آپ کے اس اقدام سے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جو تذبذب کی پوزیشن میں تھا مسلم لیگ کا حامی بن گیا۔ علامہ عثمانی نے زمانۂ طالب علمی ہی سے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ جنگ بلقان کے زمانے میں جب انگریزوں نے سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے ریشہ دوانیاں شروع کیں اور یورپ کی طاقتیں ترکوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے متفق ہو کر ان پر حملہ آور ہو گئیں تو ہندوستان میں ترکوں کی ہمدردی کا جوالہ مکھی پھٹ پڑا۔ تمام لوگوں کے اندر جذباتِ غیرت جاگ اٹھے اور ترکوں کی حمایت کا ہر طرف غلغلہ بلند ہونے لگا۔ نوجوانوں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں نے ترکوں کی معاونت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور میدان جنگ میں زخمی ترکوں کے ایک ایک زخم کو اپنا زخم سمجھا۔ یہاں تک کہ مشاہیر ہند کا ایک ریڈ کراس کا وفد ان مجروحین و مظلومین کی مدد کے لئے ترکی پہنچا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے جذبۂ اخوت میں جوش پیدا ہوا اور آپ نے بذات خود دورہ کر کے ترکوں کے لئے چندہ جمع کیا۔ ہلال احمر کے کام میں آپ نے دن رات ایک کر دیا اور ایک سچے مومن اور مجاہد کی طرح مردانہ وار ترکوں کی مدد کی۔ اس طرح آپ نے مختلف اوقات میں جا بجا ترکوں کی مدد کی۔ ان کی مدد کے لئے آپ نے دن رات ایک کر کے زمانۂ طالب علمی ہی میں دورے کیے۔ جب آپ بڑے ہوئے اور انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں تحریک کا آغاز ہوا اور مسلمانوں کے تشخص کو برقرار رکھنے اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی تو علامہ عثمانی اس کے رکن رکین بن کر رہے۔ جمعیت کے جلسوں میں نہ صرف علامہ نے شرکت کی بلکہ بہت ہی پر جوش اور کامیاب تقریریں کیں۔ آپ کے متعلق اخبار الجمعیۃ دہلی کے ایڈیٹر نے اپنے آرٹیکل میں لکھا ہے کہ "علامہ عثمانی ۱۹۲۵ء تک جمعیۃ العلماء کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے اور قومی تحریکات میں ہمیشہ

آگے آگے رہنے کی کوشش کی۔ تحریک خلافت سے لے کر ۱۹۴۵ء تک جمعیۃ العلماء اور کانگریس کو آپ کے تعاون کا فخر حاصل رہا۔ بہت سی کمیٹیوں میں صدارت کے فرائض انجام دیئے۔[۱۱] لیکن ۱۹۴۵ء میں آپ نے جمعیۃ العلماء سے استعفیٰ دے دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مولانا جمعیۃ العلماء کی کانگریس میں بلا شرط اور بحیثیت مجموعی شرکت اور انفرادی سرگرمیوں کے مخالف تھے لیکن ابتداء میں آپ نے جمعیۃ کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ ملکی آزادی جس صورت سے بھی حاصل ہو جائے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کو مسلمانوں ہی کی چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے تو آپ جمعیۃ سے مستعفی ہو گئے اور تحریک پاکستان میں شامل ہو گئے۔ تحریک پاکستان میں شمولیت کی وجہ بتاتے ہوئے آپ نے لکھا ہے "کہ اسلامی برادری کا ایک ادنیٰ جزء ہونے کی حیثیت سے اپنے اندازۂ علم و فہم کے موافق سمجھ کر جو رائے قائم ہوئی ہے اپنے مخلصین کے پیہم اصرار پر بطور مشورہ عرض کر دیتا ہوں ......
اس وقت یہ دردناک منظر دیکھا کہ دس کروڑ مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی روح کو کیسی سنگدلی سے مسلمانوں ہی کی چھری سے ذبح کرایا جا رہا ہے بالکل خاموش رہنا گوارہ نہ ہوا۔[۱۲] مولانا کے جمعیۃ سے مستعفی ہوتے اور تحریک پاکستان کی حمایت کرنے سے پورے ملک میں ہلچل مچ گئی۔ بہت سارے علماء اور صلحاء جو تذبذب کی کیفیت سے دوچار تھے مولانا کی شرکت سے وہ بھی تحریک پاکستان میں شامل ہو گئے۔ جب آپ کا پیغام کلکتہ کی موتمر کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کے چار روزہ اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا تو اس پیغام نے ایک عالم بے خودی پیدا کر دیا۔ عجیب محویت و کیفیت سبھوں پر طاری ہو گئی۔ اور پورا ماحول نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھا۔ بالآخر آپ کے علم و فضل کو دیکھتے ہوئے تمام ہی علماء نے آپ کو جمعیۃ العلمائے اسلام کا پیشگی صدر چن لیا۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو آپ نے بہت ہی اصرار کے بعد جمعیۃ العلمائے اسلام کی صدارت منظور کی۔ صدارت قبول کرنے کے بعد مولانا کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ مولانا کے پیغام کے بعد تمام ہی مسلمان فوج